افکار بشری کی آزادی میں قرآن کا حصہ

شیخ عبدالعزیز شاویش مرحوم کے خطبات

(خطبۂ دوم)

حضرات!

گذشتہ خطبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بلاد مغرب میں علوم جدیدہ کا مرجع سترہویں صدی ہے جس میں کوپرنکس کے نظریہ اور نظریہ جذب وکشش اور نظریہ دوران خون، اور کیمیا وطبعیات کے جدید قوانین کا ظہور ہوا۔ اور لوگ سیاروں کے نظام اور تاروں کی کنہ اور ٹوٹنے والے تاروں کی کیفیت سے واقف ہوئے۔ مگر انیسویں صدی تک یہ اکتشافات ان غامض مسائل کونیہ کی تفسیر سے باز رہے جو بائبل کے عہد جدید اور عہد قدیم میں بیان کئے گئے ہیں، اور اگر انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ کیا بھی تو وہ بہت محدود تھا۔ پھر جب ان اکتشافات کی بنا پر مسائل کونیہ کی بحث شروع ہوی تو اس کے ساتھ ہی اُن تاریخی روایات کی بحث بھی شروع ہو گئی جو ان کتابوں میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً طوفان نوح اور سفر تکوین۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اوائل میں لاپلاس (Laplace) آیا اور اس نے ظاہر کیا کہ سفر تکوین میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ہمیں وجود خالق کے نظریہ سے انکار کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر علم طبقات الارض کی تحقیقات نے ترقی کی اور اس نے ایسے مفروضات پیش کئے جو سفر تکوین اور قصۂ طوفان سے متناقض تھے۔

سنہ ۱۸۶۳ء میں پروفیسر لائل (Lyell) نے اپنی کتاب قِدَم الانسان میں بیان کیا کہ

انسان اس مدت سے بہت پہلے زمین پر آباد ہو چکا تھا جو تورات نے معین کی ہے۔ مگر اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان دونوں متناقض بیانات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ شاید تورات میں جو مدت بیان کی گئی ہے اس کے دن بہت زیادہ طویل ہوں اور ہمارے دنوں کی طرح نہ ہوں لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی تطبیق ان ایام پر نہیں ہو سکتی جن میں انسان پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ تورات کے بیانات سے تو یہی مستفاد ہوتا ہے کہ وہ دن ایسے ہی تھے جیسے ہمارے موجودہ زمانے کے دن ہیں۔ بہرحال اس عہد کے فلاسفہ میں عام خیال یہ پھیل گیا تھا کہ علم طبقات الارض نے اناجیل کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ کہنے کے لئے دروازہ کھلا ہوا تھا کہ نوع بشری کا وجود تاریخ سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ لوگ اسی مذہب پر تھے کہ علم الحیوان نے انسان کی اصل کے متعلق ایک نئی تحقیق پیش کر دی اور انسان پر قانون نشو و ارتقا اور تمام نوامیس طبیعی کو منطبق کیا۔ خصوصاً جب سے ڈارون کی کتاب اصل اجناس (Origin of Species) شایع ہوئی ہے (۱۸۹۵ء) اس کو حقائق ثابتہ میں شمار کیا جانے لگا ہے۔

۱۸۷۱ء میں جب ڈارون کی کتاب منشاء الانسان (The Descent of Man) شائع ہوئی تھی اسی وقت سے ایک فکری شورش برپا ہو گئی تھی، اور دینی و غیر دینی طبقوں کے درمیان جدال و نزاع کی آگ بھڑک اٹھی تھی حتیٰ کہ گلیڈ اسٹون کے متعلق مشہور ہے کہ اس زمانہ میں اس نے کہا تھا کہ:۔

> اگر ہم نظریۂ نشو و ارتقا کو مان لیں تو اس کے اعتبار سے خدا کی یہ حیثیت رہ جائے گی کہ وہ ایک خالق تھا جس کا کام ختم ہو گیا۔ اور اگر قوانین کونیہ کے عدم تغیر کو تسلیم کر لیا جائے، اور یہ قرار دے لیا جائے کہ یہ قوانین ایک ہی حالت پر دائماً قائم رہنے والے ہیں تو دنیا میں خدا کی حکومت کی کوئی حاجت باقی نہ رہے گی۔

اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ گذشتہ صدی کے وسط تک مغرب کے غیر اسلامی ممالک میں مرکز عقل اور حریت فکر کا کیا حال رہا ہے تو اس کے لئے میں آپ کے سامنے صرف ایک اقتباس پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں

جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک انگریز کارڈینل کے اعلان کا یورپ میں کس طرح استقبال کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"۱۸۶۴ء میں کارڈینل مانگ (Cardinal Manning) نے اپنے ایک اعلان سے تمام عالم نصرانیت کو حیرت زدہ کردیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ ہر انسان کو وہی اعتقاد رکھنا چاہئے جس کو وہ اپنی نظر و فکر کی بنا پر صحیح سمجھتا ہو۔ اور یہ کہ کنیسہ کو عقاید پر مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ کہ امور ماوراء طبیعت کا علم ممکن ہے بلکہ اس علم کو تنہا حق اور کنیسہ کی رغبتوں ہی کا پابند نہ ہونا چاہئے۔ اور یہ کہ کیتھولک فرقہ والوں کو حق ہے کہ دوسری ملتوں سے نکل جانے والے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اور انھیں حق ہے کہ اپنی نماز بآواز بلند پڑھیں۔ اور یہ کہ یورپ علمی ترقی اور حریت اور مدنیت کے ساتھ سلامت رہ سکتا ہے"

دیکھئے تو سہی کہ مورخوں نے اس اعلان کو ان بڑے حادثوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے عالم نصرانیت کو حیرت زدہ اور مدہوش کردیا حالانکہ بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کارڈینل نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا ہے جو عالم اسلامی کو اس وقت سے معلوم ہے جب سے قرآن کا نور دلوں پر تاباں ہوا ہے۔ اور اس کی وہ فطری تعلیمات عالم انسانی پر جلوہ فگن ہوی ہیں۔ جو غور و فکر کو لازم کرتی ہیں کورانہ تقلید کو قبیح ٹھیراتی ہیں، اور عقلوں پر سے پردے اٹھا دیتی ہیں۔

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ کئی صدیوں تک فکر بشری اور مغربی ملتوں کے درمیان کیسی سخت نزاع اور باہم اکھیڑ پچھاڑ رہی ہے، تا آنکہ آخر کار عقل کے غالب آجانے اور حریت فکر کے فتح یاب ہوجانے کے آثار پیدا ہوگئے ہیں۔ ہم نے "آثار پیدا ہوگئے ہیں" اس لئے کہا کہ اب بھی ہم کو یورپ کے بعض ممالک بلکہ امریکہ کی دنیائے جدید میں ایسے لوگوں کی کمی نظر نہیں آتی جو قدیم تقالید کی حمایت کرنے والے ہیں

اور جو کچھ ان کے باپ دادا کے اعتقادات تھے ان پر جمے رہنے پر اڑے ہوئے ہیں، اگرچہ وہ تقالید اور اعتقادات عینی مشہودات سے معارض اور منطقی حجتوں سے متناقض ہی کیوں نہوں کیا آپ بھول گئے کہ گذشتہ سال ہی امریکہ کی ایک جامعہ نے اپنے پروفیسروں میں سے ایک نامور پروفیسر کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ جب اس نے ڈارون کے مذہب کی ترویج کی تو اس کے خلاف زبردست شور برپا ہوگیا اور وہ اس وقت تک فرو نہ ہوا جب تک کہ اس پروفیسر کو اس جامعہ کی کرسی سے الگ نہ کر دیا گیا۔

حضرات!

جہاں تک ممالک غربیہ کا تعلق ہے یہ مختصر بیان ان حالات کی تصویر کھینچنے کے لئے کافی ہے جو گذشتہ کئی صدیوں کے دوران میں عقل بشری کو پیش آئے ہیں اور ان آلام و مصائب کا اندازہ کرنے کے لئے یہ تھوڑا سا خلاصہ ہی کافی ہے جن کا مقابلہ عقل کو اپنی حریت اور اپنے استقلال کی خاطر ممالک مغربی میں کرنا پڑا ہے۔ آئیے اب ہم ایک اچٹتی ہوئی نظر مشرق پر بھی ڈال کر دیکھیں کہ جس وقت ممالک یونانیہ میں حریت فکر کی پو پھٹ رہی تھی (یعنی پانچویں صدی قبل مسیح کے اطراف) اس وقت بلاد مشرق میں عقل کا کیا حال تھا۔ جب شرق ادنیٰ میں اکسینوفانیس (Xenophanes) یونانیوں کے دیوتاؤں پر طعن و تشنیع کی بوچھار کرکے اور ان کا مذاق اڑاکر لوگوں کو ان کی عبادت ترک کرنے کے لئے دعوت دے رہا تھا۔ اور جس زمانہ میں ہرقلیتس اور دیموقریتوس عقول بشری کو تقلید جاہلی کی بندشوں سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے تھے، اور ان کو ملکوت ارض و سما پر غور کرنے کی تعلیم دے رہے تھے، ٹھیک اسی زمانہ میں ہم کو مشرق کے دوسرے کنارے پر ایسی عقلی و نفسی حرکت کے آثار نظر آتے ہیں جس کا مقصد سوئی ہوئی ہمتوں کو بیدار کرنا اور جاہل و گمراہ قوموں کو غور و فکر کی راہ دکھانا، اور ان کو اپنی اجتماعی زندگی کے مسائل کی بحث و تحقیق پر آمادہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں بودھ اپنی تعلیمات کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور چین میں کنفیوشس اس تفاوت طبقات اور اس سیاسی و اجتماعی فوضویت کے خلاف جنگ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس میں اس کے زمانے کی چینی قوم اور ملک چین کے ارباب حکومت

مبتلا تھے، اور اس سنگ دلی اور درشت خوئی، جور و ظلم اور استبداد کی اصلاح کرتا نظر آتا ہے جو اس کے عہد میں امراء کی امتیازی صفات تھیں۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ مشرق کے یہ دونوں علاقے اپنے زمانۂ نہضت میں متحد اور اس نہضت کی کنہ و طبیعت میں متشابہ ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کی توجہ، عام مادی احوال کے بجائے زیادہ تر نفس کو اخلاق فاسدہ کی نجاستوں سے پاک کرنے کی طرف مائل رہی ہے۔ اور چین میں کنفیوشسی نہضت کا مقصد اولین یہ رہا ہے کہ حیات سیاسی و اجتماعی اور مظاہر مادی کو منضبط کرنے کے لئے دستور مقرر کئے جائیں اور ان کو ایک نظم کے تحت لایا جائے۔

بزرگو! جس طرح شرق ادنیٰ اور بلاد غربیہ میں مذہبی پیشوائی کے مدعیوں نے ان بدعات و مظالم اور ان ناروا بندشوں اور عبادت کے ان غلط طریقوں کو رواج دیا جنہوں نے خدا کے بندوں کو تکلیف میں ڈالا اور ارواح بشری کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینکا، اور عقول انسانی کو غلامی کی قیود میں جکڑا، اسی طرح چین اور ہندوستان اور دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی ان کے ہم پیشہ لوگوں نے یہی سب حرکات کیں۔ اور ان کی بدولت قرون وسطیٰ دنیا کی تاریخ میں بدترین قرون بن گئیں۔ آخر کار علیم حکیم کی حکمت اور رفیق رحیم کی رحمت اس کی مقتضی ہوئی کہ اپنے ظلمت و ضلالت میں بھٹکنے والے اور جہالت کی وادیوں میں حیران و سرگردان پھرنے والے بندوں پر نور معرفت کا اشراق فرمائے کہ ان کی عقلوں کے بند کھل جائیں، اور ان کے نفوس کی منزلت بلند ہو جائے اس نے انہیں محض ناکام تجربوں کی رہنمائی پر نہ چھوڑ دیا بلکہ ان کو رہائی دلانے اور راہ راست دکھانے کے لئے وحی نازل فرمائی تاکہ وہ ان مجادلات اور مصادمات سے بچ جائیں جس میں دوسری ملتوں اور مذاہب کے لاکھوں طالبان حریت و عدل و مساوات فنا ہو چکے تھے۔

اس کی حکمت نے یہ چاہا اور اسی لئے اس نے قرآن کو دین فطرت کے ساتھ بھیجا تاکہ قید و بند میں جکڑے ہوئے نفوس کو اس کے پاک احکام کے ذریعہ سے آزاد کرائے، اور گمراہ عقلوں کو جہالت کے مہلکوں سے

نجات دلائے۔

اب میں جو کچھ عرض کرنے والا ہوں اس سے آپ حضرات کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ قرآن کریم نے کس طرح حریت کی راہ میں فکر بشری کی ہدایت فرمائی ہے اور وہ عقل کو کن بلند منزلوں تک اٹھائے گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مناسب ہوگا کہ ہم اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر اس سوال کو بھی حل کردیں جو بعض لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب قرآن کا دین دراصل دین فطرت ہی ہے، اور جب احکام کی صحت کا مقیاس، قرآن کے نزدیک عقل اور منطق ہی ہے تو پھر دین کے بذریعہ وحی نازل فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟ کیوں عقل بشری کو حق اور حقائق کی راہ میں مجاہدہ کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود ان تک پہنچے اور خیر و شر اور نافع و ضار کی بحث و تنقیب کر کے خود ان کی کنہ کو سمجھے اور ان کے حدود کا ادراک کرے اور ان کے درمیان جو ما بہ الفرق و امتیاز امور ہیں ان کو پہچانے؟

ایسے لوگوں سے ہم کہیں گے کہ بلاشبہ انسانی عقل کے لئے یہ ممکن ہے کہ بحث و تنقیب اور تجربوں کے ذریعہ سے احکام اور تصورات اور نظم اجتماعی اور مسائل علمی اور آداب خلقی کے ان مراتب کمال تک پہنچ سکے جن کے لئے نفس انسانی ایک فطری شوق رکھتا ہے لیکن اس راہ میں دو سخت گھاٹیاں ہیں جن کو عبور کئے بغیر اس آرزو کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ایک عادی ہے اور دوسری طبعی۔

پہلی گھاٹی یہ ہے کہ نفس بشری اپنی حقیقی مصلحت کی خاطر جن وجوہ صواب کی جستجو کرتا ہے ان تک پہنچنے کے لئے صدیوں کے تجارب اور تحقیقات درکار ہیں۔

دوسری گھاٹی ناموس نشو و ارتقا یعنی تدریجی ترقی کی گھاٹی ہے، جس کی وجہ سے عالم معقولات و معنویات میں عقل بشری کسی آگے کے مرحلہ پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اس سے پہلے کے مراحل کو قطع نہ کرلے۔

اس کے علاوہ کچھ اور عوامل بھی ہیں جو تحقیق و بحث کی راہ میں عقل کی پیشقدمی کو روکتے ہیں،

اور اکثر ایسی رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں جن سے بچ کر بہت ہی کم عقلیں نکل سکتی ہیں ورنہ اکثر و بیشتر تو ٹھوکر کھا کر گر ہی پڑتی ہیں۔ ان عوامل میں سب سے زیادہ اہم عامل وہ نفسی انفعالات اور عصبی اضطرابات ہیں جن کے آثار ہماری اجتماعی اور عقلی اور ادبی زندگی کے شعبوں میں اتنے نمایاں ہیں کہ کوئی شخص ان سے ناواقف نہیں ہے۔ یہ بڑی ہی سخت مغالطہ ہوگا۔ اگر ہم اپنے افکار اور احکام اور میلانات میں کمال کو پہنچنے اور نقائص سے بری ہونے کا ادعا کریں۔ دراں حالیکہ ہمارے اندر ایک نفس امّارہ، اور ہمارے پہلو میں ایک متلوّن قلب موجود ہے اور ہم اکثر معاملات میں اپنی خواہشات کی اطاعت اور ہوا و ہوس کی پیروی کیا کرتے ہیں۔

ان وجوہ سے اور اس لئے کہ لوگوں کو سب سے قریب کے اور سب سے زیادہ سیدھے اور سب سے زیادہ محفوظ راستے پر چلایا جائے، خالق کائنات اپنی مخلوقات میں سے پاکیزہ ترین مخلوق کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجتا ہے کیونکہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لغزش قدم، اور پریشان خوابی اور خواہشات کے فتنے سے ان کو بچائے اور ان کے سینکڑوں ہزاروں برس اُس علم اس حریت و مساوات، اُس عدل اور ان تمام فضائل و سلات کی تلاش و جستجو میں ضائع نہ ہونے دے جن کے لئے ان کے نفوس فطرۃً آرزومند ہیں۔

قرآن حکیم ہر چیز میں دین فطرت لے کر آیا ہے۔ اس کے قواعد احکام اور اصولِ آداب و شرائع پوری طرح فطرت بشری کے مقتضیات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی لائی ہوئی شریعت کے امہات اصول میں ایک یہ بھی ہے کہ جو امور مؤثرات کی تاثیر سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور جن میں اختلاف حالات کے ساتھ پے در پے تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ ان میں ہر قوم کے عرف کا لحاظ کیا جائیگا۔ اس وجہ سے زمان و مکان کے اختلافات اور مختلف اقوام کے مخصوص عرف کے لحاظ سے شریعت کے فرعی و جزئی مسائل میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اس طرح قرآن مجید مطالب عقل کے عین مطابق ہے اور انسانی فطرت سے ناآشنا نہیں ہے اور حیات اجتماعی کے شعبوں میں سے کسی شعبہ میں طبیعت بشری کے سلطان و آثار سے تجاہل نہیں برتتا۔

پھر قرآن اس سے خوب واقف ہے کہ انسان اپنے احساس و شعور کی ابتدائی حالت ہی سے ان واقعات و حالات کی علتیں معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے جن کا ادراک اسے اپنے حواس کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ تلاش و جستجو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس لئے وہ اس کی اس فطرت کو اور زیادہ ابھارتا اور اسے بحث و تحقیق کے نئے گوشے دکھاتا ہے۔ اور بار بار ان جامد اور ٹھس لوگوں کو تنبیہ کرتا رہتا ہے جو تقلید کے تنگ دائروں میں اس قدر مقید ہو گئے ہیں کہ ان سے نکل کر وسعت نظر کے ساتھ کائنات اور اس کی خلقت پر نگاہ نہیں ڈال سکتے۔ اس باب میں قرآن مجید نے تدبر و تفکر کی دعوت دینے کا موقع ہاتھ سے نہیں دیا ہے اور کوئی حجت اور کوئی برہان ایسی نہیں چھوڑی ہے جو اس نے حریفان حق پر قائم نہ کی ہو۔

اور یہ جو قرآن نے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور اس کے ساتھ ان احکام و شرائع اور آداب و فضائل کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے جو انبیاء نے پہونچائے ہیں، تو یہ ہرگز عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عقل جس طرح فطرۃً اس چیز کی حاجت کا شعور رکھتی ہے کہ وقتاً فوقتاً افراد اور جماعتوں کے ظلم و تعدی کو افراد اور جماعتوں ہی کے ذریعہ سے رفع کیا جاتا رہے (وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۔ ۲: ۲۴۳) اسی طرح اس کی فطرت ہی اسے اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ ہر چیز قبول یا وضع کرے جس میں اس کو نظام حیات اجتماعیہ کی بہتری نظر آئے۔ اور چونکہ انسانی عقل، تشریعی ادبی اور علمی شعبوں کے معالجہ میں، نارسائی، لغزش اور قلت وسائل کے خطرات سے دوچار ہے۔ (جس کی تفصیل ایک دوسرے موقع پر بیان ہو چکی ہے) اس لئے وہ طبعاً اس طرف مائل ہے کہ کسی پر بھروسہ اور اعتماد کر کے اطمینان و سکون حاصل کرے، اور کسی ایسی بات کو قبول کرے جس کے بعد اس کو بحث و تنقیب کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، اور کسی ایسے ماہر کامل کو اپنا رہنما بنالے جو اس کو ظنون اور تجربات کی راہ میں پیش آنے والے خطرات و مہالک سے بچالے جائے۔ پھر اس اعتماد و قبول کے لئے اس ہستی کی نازل کی ہوئی وحی سے زیادہ مستحق اور کیا چیز ہو گی جو انسان کی فطرت و طبعیت کے تمام اسرار پر محیط اور ان سب امور کا عالم ہے

جن میں اس کی صلاح شان و سعادت مضمر ہے؟ مزید برآں انسان فطرۃً اپنے مطلوبات تک پہنچنے کے لئے سب سے قریب کا راستہ چاہتا ہے۔ اور یہی خواہش اس کو کسی ایسے رہنما کی تلاش پر آمادہ کرتی ہے جس پر وہ اعتماد کر سکے، اور جس کی ہدایات پر وہ اطمینان و سکون نفس کے ساتھ چل سکے پس نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی جس کثرت کے ساتھ بعض افراد انسانی پر اعتقاد رکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور انبیاء، و رسل اور ان کے پیرو داعیوں پر ایمان لاتے ہیں، اس کا اصلی راز یہی ہے کہ وہ ان کی رہنمائی سے بہ آسانی منازل کمال تک پہنچنے اور ان کی ہدایت سے سعادت و سلامتی کی زندگی بسر کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ انسان طبعاً اس ایمان و اعتقاد کی طرف مائل ہے، اس لئے کہ وہ فضائل کی معرفت میں درجہ بدرجہ ترقی کرنے سے گھبراتا ہے! اس نے دیکھا کہ اس قسم کی تدریجی طلب کرنے والا ابسا اوقات صواب کی منزل تک نہیں پہنچا، اور اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ سلامتی کے ساتھ اس راہ سے گذر جائیگا۔ وہ متفرق اعمال اور تصرفات اور احکام کے برے عواقب میں پڑنے سے فطرۃً بچنا چاہتا ہے، اس لئے اس کی فطرت ہی اس کو ان نجات کی خوشخبری دینے والے اور ان عذاب سے ڈرانے والے داعیوں کی دعوت قبول کرنے کی طرف مائل کرتی ہے، اور اسے امید دلاتی ہے کہ اس کا مطلوب گم کردہ جس کو اگر وہ خود اپنی کوشش سے طلب کرے تو شاید نہ پا سکے، غالباً اس طریقے سے مل جائے گا جس کی طرف وہ لوگ دعوت دے رہے ہیں۔

پس انسان کی فطرت سلیمہ اور اس کی آزاد عقل ہی اسے ایک ایسے ھادی اور رہنما پر اعتقاد رکھنے اور مطمئن ہو جانے کے لئے آمادہ کرتی ہے جو اسے خطار اور لغزش اور گمراہی سے بچا کر سلامتی کی راہ پر لیجانے والا ہو۔ اور اسے خوف دلاتی ہے کہ اگر اس نے خود اپنے دلائل اور خود اپنی قوتوں پر اعتماد کیا تو اغلب ہے کہ کہیں نا واقفیت، اور فکر کی غلطی اور قدم کی لغزش کی بدولت وہ اُن بہت سے اعلیٰ مطالب اور پاکیزہ رغائب تک نہ پہنچ سکے گا جن تک پہنچنے کی خواہش اس کے نفس میں پنہاں ہے۔ اسی فطرت کے اقتضاء سے مدرسے قائم کئے جاتے ہیں، تہذیب نفس و تہذیب عمل پھیلانے والی جمعیتیں بنائی جاتی ہیں، اور مذہبی پیشواؤں اور صوفیوں

کی طرف ہر زمانے میں ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگ رجوع کرتے ہیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عقل کو حرکت میں لانے اور فکر کو آزاد کرنے کا کوئی وسیلہ ایسا نہیں ہے جس کو قرآن مجید نے اختیار نہ کیا ہو۔ وہ جب کسی پر فیصلہ چھوڑتا ہے تو وہ عقل ہی ہوتی ہے، اور جب کوئی حجت قائم کرتا ہے تو حکم عقلی ہی کی بناء پر کرتا ہے اور جب کسی پر اظہار غضب کرتا ہے تو عقل کو معطل کر دینے والے ہی پر کرتا ہے۔ اور جب کسی سے اظہار خوشنودی کرتا ہے تو وہ ارباب عقل و خرد ہی ہوتے ہیں۔ قرآن نے جہاں کہیں دوسری ملتوں اور مذاہب کے پیروؤں اور مادیین و دہریین سے مجادلہ کیا ہے، وہاں وہ برہان ہی ان پر ضرب لگاتا ہے۔ اور بحث و نظر ہی کی طرف انھیں دعوت دیتا ہے، وہ کہتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۷ : ۲۲)

وہ دل رکھتے ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں۔ وہ آنکھیں رکھتے ہیں۔ مگر ان سے دیکھتے نہیں۔ وہ کان رکھتے ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ وہی دراصل غافل ہیں۔

ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں قرآن نے ان گمراہوں کو اس بناء پر زجر و توبیخ کی ہے کہ انہوں نے اپنی عقلوں کو بیکار کر دیا ہے۔ یا باپ دادا کی تقلید میں اتنا مقید کر دیا ہے کہ اگر آبائی طریقوں سے ہٹ کر کوئی طریقہ پیش کیا جائے تو وہ اس کو محض اس بناء پر رد کر دیں کہ ان کے باپ دادا کے طریقے کے خلاف ہے، مثلاً وہ کہتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۲ : ۲۱)

اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی اختیار کرو تو انہوں نے کہدیا کہ نہیں ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا یہ لوگ انہی کی پیروی کریں گے

اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ راہ راست پر رہے ہوں۔

اور جن آیات میں اپنی عقلوں سے کام نہ لینے والوں اور اندھے مقلدوں کی مخالفت کی گئی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (۱۷: ۴)

اور جس بات کا تجھ کو علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہو لیا کر یقین رکھ کہ کان آنکھ اور دل سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ ہوگی۔

اور:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (۸: ۳)

اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

اور:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۰: ۵)

اور ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو تیری طرف نظر لگائے بیٹھے ہیں تو کیا تو اندھوں کو راستہ دکھائے گا چاہے ان کو کچھ نہ سجھائی دیتا ہو۔

پھر تم دیکھو گے کہ جہاں کہیں حریفان حق سے مجادلہ کیا گیا ہے وہاں ہر آیت کے ختم پر اس طرح کے فقرے استعمال کیے گئے ہیں (بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو علم نہیں رکھتے)۔ (قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (وہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں) هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اپنی برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو)۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (وہ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں) لَوْ تَشْعُرُوْنَ (کاش تم شعور رکھتے)۔ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ (کیا وہ سنتے ہی نہیں) اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سبق صرف اہل عقل و خرد ہی حاصل کرتے ہیں)۔

قرآن کریم نے جہاں کہیں اپنے پیش کردہ دین کے اقتضا کے مطابق کوئی بات پیش کی ہے وہاں اس کو خوب اچھی طرح سمجھایا ہے۔ اور جب ارکان دین میں سے کسی رکن اور عقائد میں سے کسی عقیدہ کی طرف دعوت دی ہے تو اس میں ایسی باتوں سے پرہیز کیا ہے جن کا انسانی عقل احاطہ نہیں کرسکتی اور جن کے ادراک سے بشری فہم عاجز ہے۔ اور جب اصول دین میں سے کسی اصل کی تلقین کی ہے تو مقدمات نظری سے ابتدا کی ہے اور پھر کفر و عناد کی بنا پر اس سے انکار کرنے کے انجام سے ڈرایا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہا ہے:-

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَا مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۸ : ۵)	تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:-

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ (۴ : ۲۳)	تاکہ لوگوں کے لئے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

قرآن کا نازل فرمانے والا جلیل الحکمت خدا، جو انسان کا خالق اور دلوں اور کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، اپنی آیات میں اپنے آپ کو کمال مطلق کی مثال ہونے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، جس کا اظہار اس کے اسمائے حسنیٰ سے ہوتا ہے مثلاً عدل اور حق اور خیر وغیرہ۔ اس بنا پر اس نے اپنے رسول کو جبار اور کوتوال بنا کر نہیں بھیجا بلکہ خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ (۸۸)	اے پیغمبر تو لوگوں کو سمجھا کیونکہ تو فقط سمجھانے والا ہے تو ان پر داروغہ نہیں ہے۔
فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ (۱۶ : ۵)	تو کیا پیغمبروں پر اس سے زیادہ بھی کوئی ذمہ داری ہے کہ صاف صاف احکام الٰہی پہنچا دیں۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱۰:۱۰)

کیا تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ مومن بن جائیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (۱۸:۸)

اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ نیکوں کو نجات کا مژدہ سنائیں اور بدوں کو عذاب سے ڈرائیں وہ باطل کے بل بوتے پر جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو متزلزل کر دیں۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (۵۰:۳)

اور تو ان پر حاکم جابر نہیں ہے۔ تو تو بس ہر اس شخص کو قرآن کے ذریعہ سے سمجھا دے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

پہلی چیز جس کے لئے قرآن نے عقل کو حکم بنایا ہے وہ خدا کے وجود پر ایمان ہے نہ صرف قرآن بلکہ اس کے سوا علمائے کلام و اصول دین بھی سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس عقیدہ کی طلب طریق نظر و استدلال سے ہونی چاہئے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے تو اللہ پر تقلیدی ایمان لانے کو قبول ہی نہیں کیا ہے۔ اور اگر امام غزالی وغیرہ نے ایمان تقلیدی کو قبول بھی کیا ہے تو وہ عوام کے لئے ایک رعایت ہے کہ وہ بحث و نظر کی استطاعت نہیں رکھتے، اور اس کے وسائل سے ناواقف ہیں، یا ان کے قوائے ادراکیہ اتنے قوی نہیں ہیں کہ بحث و نظر کی شرائط پوری کر سکیں۔ اس بنا پر ان سے ایمان ثابت قبول کر لیا گیا ہے لیکن جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس کی کوئی سورت آپ کو ایسی نہیں ملے گی جس میں اس نے انسان کو بحث و نظر اور تعقل و تفکر کی دعوت نہ دی ہو۔ اس جگہ ان سب آیات کا استیعاب ممکن نہیں ہے۔ صرف چند آیات پیش کی جاتی ہیں:-

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا

جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ
النَّھَارَ ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ
وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ
صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ
وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ
فِی الْاُکُلِ ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
یَّعْقِلُوْنَ (۱۲ : ۱)

کیں اور وہی رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے یقیناً
اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔
اور زمین میں ایک دوسرے سے متصل قطعے ہوتے ہیں جن
میں انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت دو شاخے
اور اکہرے، سب ہی کچھ ہوتے ہیں حالانکہ سب کو ایک ہی
پانی سے سیراب کیا جاتا ہے پھر بھی بعض کو بعض پر پھلوں
میں برتری دیتے ہیں۔ یقیناً ارباب عقل کے لئے اس میں
بہت سی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ
فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ
اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ
کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۲ : ۲۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن
کے اختلاف اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی
چیزیں لئے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں، اور اس پانی
جسے اللہ آسمان سے نازل کرتا اور اس کے ذریعہ سے
زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی، پھر سے زندہ کر دیتا ہے
اور پھر اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیتا ہے، اور ہواؤں
کی گردش اور زمین و آسمان کے درمیان گھرے ہوئے
بادلوں میں، ارباب عقل کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ
وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ
کَیْفَ سُطِحَتْ (۸۸)

کیا لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنایا گیا ہے اور
آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں
کو نہیں دیکھتے کہ کیسے نصب کئے گئے ہیں۔ اور زمین کو نہیں
دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (۵۱: ۱) اور خود تمہارے اندر کیسی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو
سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ (۴۱: ۶) ۔ ہم ان کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے اپنے اندر اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ قرآن برحق ہے۔

اَوَ لَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ (۷: ۲۳) کیا انہوں نے آسمان و زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی۔

معزز حاضرین! یہاں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ اس باب میں جتنی آیات قرآن کریم میں آئی ہیں ان سب کا استقصاء کیا جائے۔ اس لئے ہم صرف انہی اقتباسات پر اکتفا کر کے ایک دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں اکثر بحث کرنے والوں نے چکر کھائے ہیں۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا کیا جائے گا جس نے بحث و نظر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اس کے باوجود وہ دین میں عقیدۂ حق تک نہ پہنچ سکا اس مسئلہ میں علماء نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے۔ مگر میں یہاں ان کی بحثوں سے تعرض نہ کرونگا اور خود قرآن مجید سے استفسار کرونگا کہ ایسے شخص کے متعلق وہ کیا کہتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس بارے میں قرآن مجید سے استفسار کیا جائے، میں چاہتا ہوں کہ آپ چند مسلّمات ذہن نشین کر لیں:-

ایک یہ کہ جب کسی حکم پر دلیل صحیح قائم ہو جائے تو عقل بشری اس میں شک کرنے پر قادر نہیں ہے

دوسرے یہ کہ عقل بشری میں یہ قدرت نہیں ہے کہ دو متناقض امور کے معاً صحیح ہونے کو جائز رکھے

تیسرے یہ کہ جب دو حکم متعارض ہوں اور ان میں سے ایک حکم کی تائید میں قاطع حجتیں موجود ہوں تو عقل کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو قبول کرے

دین فطرت نے ان تینوں فطری قضایا کو ملاحظہ کیا ہے اور اس کی آسمانی کتاب نے انکی

تصدیق کی ہے۔ پھر اس کے بعد علما نے اس کی تائید کی ہے اور باوجود فرعی مسائل میں مختلف ہونے کے، ان سب نے اس قاعدۂ کلیہ کو تسلیم کیا ہے کہ شرعیات میں سے جو چیز بھی بظاہر خلافِ عقل معلوم ہو۔ اس کی تاویل اس طرح کی جائے کہ وہ حکمِ عقل کے مطابق ہوجائے۔ کیا یہ مسلّماتِ عقلیہ کے حدود پر شعور اور فطرتِ بشریہ کے حکم پر نزول نہیں ہے؟ اور کیا اس قاعدہ کے باوجود عقائد میں جبر اور زبردستی ہوسکتی ہے؟ اور کیا دینِ فطرت جو دینِ بحث و نظر ہے ان لوگوں کو کسی عقیدہ پر مجبور کرسکتا ہے جن کی عقلیں اس عقیدہ کے ادراک سے قاصر ہوں، یا جن پر شکوک و شبہات کا اتنا ہجوم ہو کہ وہ ان کو دور کرنے اور انھیں روکنے سے عاجز رہ گئے ہوں؟ اور کیا وہ دین جبر اور زبردستی کا قائل ہوسکتا ہے جس نے غیر معقولات پر ایمان لانے کی سخت مخالفت کی ہے، اور جس نے ایسے ایمان کے مقابلے میں اُس یقینی عقیدۂ ایمان کی بنیادیں قائم کی ہیں جو طریقِ عقل و نظر سے حاصل ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے بالاتر ہے کہ وہ لوگوں کو اس چیز کی تکلیف دے جس کی ان میں طاقت نہ ہو، یا ایسی چیزوں پر ایمان لانا ان پر لازم کرے جن کی طرف حجت اور برہان ان کی ہدایت نہ کرتی ہو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرنے سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ۔

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴: ۲۳) — تاکہ پیغمبروں کے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

اب ہم قرآن کریم کی ان آیات میں سے بعض کو پیش کرتے ہیں جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ (۱۱: ۳۰) — نوح نے کہا کہ اے میری قوم کیا تم نے غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلے رستے پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھکو رحمت عطا فرمائی ہے۔ پھر وہ رستہ تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو کیا ہم تمھیں زبردستی

اس پر چلائیں گے درانحالیکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (۵۰: ۴۵)
ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں تم ان پر کوئی حاکم جابر تو ہو نہیں۔ جو کوئی میری وعید سے ڈرے اس کو بس تم قرآن کے ذریعہ سے سمجھا دو۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (۲: ۱۱۹)
ہم نے ان لوگوں کے لئے آیات واضح کردی ہیں جو یقین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہم نے تم کو دین حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخیوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (۴۲: ۵)
تم پر خدا کا پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کچھ ذمہ داری نہیں ہے

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ (۱۱: ۲)
تم تو بس عذاب خدا سے ڈرا دینے والے ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن جو دین فطرت کی کتاب ہے ہرگز ایسی کوئی بات پیش نہیں کرتا جو درست اور صحیح آراء کے منافی ہو یا جس کی حکمت عقول سلیمہ سے پوشیدہ ہو۔ اور وہ ہرگز انسان کی عقل کو ایسی باتوں پر ایمان لانے کی تکلیف نہیں دیتا جو غیر معقول ہوں۔ اور وہ ہرگز انسان کے جسم کو اس بار کے برداشت کرنے پر مجبور نہیں کرتا جس کو اٹھانے کی اسمیں طاقت نہ ہو۔ اور وہ ہرگز انسان پر ایسا کوئی فرض عائد نہیں کرتا جو اس کی فطرت کی وسعت میں نہ سماتا ہو۔ اس کا اصلی کام تو یہی ہے کہ وہ نوع بشری کو ہدایت کا قریب ترین راستہ دکھائے۔ اور خدا کے بندوں کو ہلاکت کے ان گڑھوں سے بچا کر نکال لے جائے جو طریق وحی کے بجائے طریق تجربہ سے حق اور حقیقت کی تلاش کرنے والوں کی راہ میں پیش آتے ہیں اور ان شیاطین انس ان ظالم حکام، ان گمراہ کرنے والے مذہبی پیشواؤں سے محفوظ رکھے جو حق کے راستہ میں رہزنی کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس باب میں جتنے شواہد و دلائل آپ چاہیں وہ آپ کو مل سکتے ہیں دیکھئے کہ طلاق اور

تحریم شراب اور تحریم قمار کے معاملہ میں مغربی قوموں کی عزیمت کیسے تلخ تجربوں اور کتنی مدتوں کے بعد درست ہوئی ہے[۱]؟ اور کیسے شدید مقابلوں اور کتنی طویل صدیوں کے بعد ان میں عقل کو آزادی نصیب ہوئی، اور اس حریت فکر اور حریت اظہار رائے کو مباح تسلیم کیا گیا، اور انسان کے ابتدائی فطری حقوق تسلیم کئے گئے[۲]؟ دینی اور سیاسی شورشوں کی تاریخ سے پوچھو، وہ تمھیں بتائیگی کہ کتنے خون اس سلسلہ میں بہائے گئے اور کتنی جانیں اس راہ میں ہلاک کی گئیں؟ اس سے دریافت کرو، وہ تمہیں ان ہنگاموں کے مصائب و آلام کی ہولناک داستان سنائے گی اور ان کلفتوں کا حال بیان کریگی جن سے قوموں کو دوچار ہونا پڑا ہے۔

اس کے بعد مجھ کو مسئلہ ارتداد سے بحث کرنی ہے جو بہت بسط و تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے تنگی وقت کی بنا پر اس کو دوسرے اجتماع کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں دو اہم مسائل پر اور بھی کلام کروں گا۔

ا۔ دین فطرت کی کتاب ہونے کے اعتبار سے معجزات اور خوارق کے باب میں قرآن کریم کا موقف

۲۔ ناموس نشوو ارتقاء اور اس کے قوانین کی تنقیح ان دلائل کے مقابلہ میں جو قرآن نے قائم کئے ہیں، اور وجود خالق پر استدلال کرتے ہوئے جن میں نظر کرنے کی طرف اس نے دعوت دی ہے۔

پھر میں تکلیف عینی اور حریت ضمیر انفرادی کے متعلق قرآن کا مسلک مختصر طور پر بیان کر کے ختم کرونگا۔

---

[۱] بلکہ حقیقۃً اب بھی درست نہیں ہوئی۔ مترجم۔

[۲] یہ خواب بھی ابھی تک محروم تعبیر ہے خطیب مرحوم کی وفات کے بعد یورپ میں جو انقلابات پیش آئے ہیں وہ پھر اس کھلے دور استبداد و قہر کی جانب رجعت کا اظہار کر رہے ہیں۔ مترجم۔